ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 414

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

ISLAMABAD ,ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: ڈیموگرافی (414) • esruoC: Demography (414)

سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری • leveL: B.A. / Associate Degree

سمسٹر: خزاں 2026ء • emesterS: Autumn 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 5–9) • .oN tnemngissA 2 (Units 5–9)

کل نمبر: 100

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(Reference &For Study)

حل شدہ مشق رہنما — برائے مطالعہ و حوالہ

نوٹ: یہ رہنما صرف مطالعے اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔ اس رہنما کو ہو بہو نقل کرنا مناسب نہیں؛ اپنے الفاظ میں لکھا گیا جواب ہی سیکھنے اور اچھے نمبروں کا ذریعہ بنتا ہے۔

سوال نمبر 1: آبادی کی ساخت اور عمر و جنس کی تقسیم کے معاشی پالیسیوں پر اثرات (20 نمبر)

سوال نمبر 1: آبادی کی ساخت (Population Structure) سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں کہ عمر اور جنس کی تقسیم کسی ملک کی معاشی پالیسیوں کو کیسے متاثر کرتی ہے۔

(20)

تعارف

کسی ملک کی کل آبادی کا عدد اکیلا کافی معلومات فراہم نہیں کرتا۔ اصل اہم بات یہ ہے کہ اس آبادی کی ترکیب کیا ہے، یعنی اس میں بچے کتنے ہیں، نوجوان کتنے ہیں، کام کرنے کی عمر کے افراد کتنے ہیں، بزرگ کتنے ہیں اور مرد و خواتین کا تناسب کیا ہے۔ اسی ترکیب کو آبادی کی ساخت کہا جاتا ہے۔ ساخت ہی بتاتی ہے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں، اس کی افرادی قوت کتنی ہے اور مستقبل میں اسے کن مسائل اور مواقع کا سامنا ہو گا۔ اسی لیے ماہرین کہتے ہیں کہ آبادی کی ساخت کسی قوم کی معاشی و سماجی تقدیر کا آئینہ ہوتی ہے۔

اس سوال میں پہلے آبادی کی ساخت کا مفہوم اور اس کے اہم اجزا بیان کیے جائیں گے، پھر آبادی کے اہم تین پاپولیشن پرامڈ کا تصور واضح کیا جائے گا، اور اس کے بعد تفصیل سے بتایا جائے گا کہ عمر اور جنس کی تقسیم کسی ملک کی معاشی پالیسیوں کو کس طرح متاثر کرتی ہے۔ پاکستان کی مثال اس بحث میں خاص طور پر مفید ہے کیونکہ پاکستان نوجوان آبادی والا ملک ہے جس کی ساخت ایک طرف بڑا موقع فراہم کرتی ہے اور دوسری طرف تعلیم و روزگار کے بڑے تقاضے بھی پیدا کرتی ہے۔

آبادی کی ساخت سے مراد اور اس کے اجزا

آبادی کی ساخت سے مراد کسی آبادی کی ان خصوصیات کے اعتبار سے تقسیم ہے جو پالیسی سازی کے لیے اہم ہوتی ہیں۔ اس کے دو سب سے بنیادی اجزا عمر کی ساخت اور جنس کی ساخت ہیں۔ عمر کی ساخت میں آبادی کو عام طور پر تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: صفر تا چودہ سال کے بچے، پندرہ تا چونسٹھ سال کے کام کرنے کی عمر کے افراد، اور پینسٹھ سال یا اس سے زائد عمر کے بزرگ۔ جنس کی ساخت سے مراد مردوں اور خواتین کا تناسب ہے جسے جنسی تناسب کہا جاتا ہے، یعنی فی ہزار یا فی سو خواتین کے مقابلے میں مردوں کی تعداد۔ ان دونوں اجزا کو ملا کر آبادی کا اہرام بنایا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ ساخت کے دیگر پہلوؤں میں ازدواجی حیثیت یعنی شادی شدہ، غیر شادی شدہ اور بیوہ افراد کا تناسب، تعلیمی ساخت، پیشہ ورانہ ساخت یعنی کاشت کار، مزدور، ملازم اور تاجر وغیرہ کا تناسب، اور شہری و دیہی ساخت شامل ہیں۔ ہر پہلو کی اپنی اہمیت ہے: تعلیمی ساخت افرادی قوت کی قابلیت بتاتی ہے، پیشہ ورانہ ساخت معیشت کی نوعیت ظاہر

کرتی ہے اور شہری و دیہی ساخت خدمات کی فراہمی کی منصوبہ بندی میں کام آتی ہے۔ تاہم معاشی پالیسیوں پر سب سے زیادہ اور براہ راست اثر عمر اور جنس کی تقسیم کا پڑتا ہے، اس لیے اس سوال میں انہی پر توجہ مرکوز رکھی جائے گی۔

آبادی کا اہرام اور انحصار کا تناسب

عمر و جنس کی ساخت کو تصویری شکل میں ظاہر کرنے کا بہترین ذریعہ آبادی کا اہرام ہے۔ اس میں ایک طرف مردوں اور دوسری طرف خواتین کے فیصد کو عمر کے گروہوں کے مطابق دکھایا جاتا ہے۔ اہرام کی شکل سے ملک کی آبادیاتی حالت فوراً سمجھ آ جاتی ہے: پوڑا نیچے اور تنگ اوپر والا اہرام نوجوان اور بڑھتی ہوئی آبادی کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ پاکستان کا ہے، جبکہ تنگ نیچے اور پھیلا ہوا درمیانی و اوپری حصہ بڑھاپے کی طرف بڑھتی ہوئی آبادی والے ترقی یافتہ ممالک کی نشانی ہے۔ اس کے ساتھ ایک اہم پیمانہ انحصار کا تناسب ہے، یعنی کام نہ کرنے والے بچوں اور بزرگوں کی تعداد کا کام کرنے والوں کے مقابلے میں تناسب۔

انحصار کا تناسب جتنا زیادہ ہو، کام کرنے والے ہر فرد پر اتنا ہی زیادہ بوجھ پڑتا ہے اور قومی بچت و سرمایہ کاری اتنی ہی کم رہ جاتی ہے۔ پاکستان میں بچوں کی بڑی تعداد کی وجہ سے انحصار کا تناسب بلند ہے، جس کا مطلب ہے کہ حکومتی وسائل کا بڑا حصہ تعلیم، صحت اور خوراک جیسے فوری اخراجات پر صرف ہوتا ہے اور طویل مدتی سرمایہ کاری کے لیے کم بچتا ہے۔ تاہم جب بڑی نوجوان نسل کام کی عمر میں داخل ہو اور شرح پیدائش گر چکی ہو تو انحصار کا تناسب کم ہو جاتا ہے اور ملک کو آبادیاتی منافع حاصل ہونے کا موقع ملتا ہے، بشرطیکہ نوجوانوں کو تعلیم اور روزگار ملے۔

عمر کی تقسیم کے معاشی پالیسیوں پر اثرات

عمر کی تقسیم معاشی پالیسیوں کو کئی طریقوں سے متاثر کرتی ہے۔ پہلا اثر افرادی قوت اور روزگار کی پالیسی پر پڑتا ہے: نوجوان آبادی زیادہ ہو تو حکومت کو ہر سال لاکھوں نئی ملازمتیں پیدا کرنا پڑتی ہیں، فنی تربیت کے ادارے کھولنا ہوتے ہیں اور چھوٹے کاروبار کے لیے قرضوں کی سہولتیں دینا پڑتی ہیں۔ دوسرا اثر تعلیم کی پالیسی پر پڑتا ہے: اسکول

جانے والے بچوں کی تعداد بتاتی ہے کہ کتنے اسکول، اساتذہ اور کتب درکار ہیں۔ تیسرا اثر صحت کی پالیسی پر ہے: بچوں کی زیادہ تعداد زچگی و شیر خوار صحت کی سہولتوں کا تقاضا کرتی ہے جبکہ بزرگ آبادی بڑھنے سے دائمی بیماریوں کے علاج اور نگہداشت کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔

چوتھا اثر سماجی تحفظ اور پنشن کی پالیسیوں پر پڑتا ہے۔ بزرگ آبادی والے ممالک کو پنشن اور بڑھاپا الاؤنس پر بھاری خرچ کرنا پڑتا ہے اور کام کرنے والوں پر ٹیکس کا بوجھ بڑھتا ہے، جیسا کہ جاپان اور یورپ کو سامنا ہے۔ پانچواں اثر بچت و سرمایہ کاری پر ہے: جس ملک میں کام کرنے والوں کا تناسب زیادہ ہو وہاں گھریلو بچت بڑھتی ہے اور بینکاری و صنعتی سرمایہ کاری کو فروغ ملتا ہے۔ چھٹا اثر صارف منڈی پر ہے: نوجوان آبادی ٹیکنالوجی، فیشن اور تفریح کی منڈی کو وسعت دیتی ہے جبکہ بزرگ آبادی ادویات اور نگہداشتی خدمات کی طلب بڑھاتی ہے۔ اس لیے بجٹ سازی اور صنعتی پالیسی بھی عمر کی ساخت کو دیکھ کر بنائی جاتی ہے۔

جنس کی تقسیم کے معاشی پالیسیوں پر اثرات

جنس کی تقسیم یعنی مردوں اور خواتین کا تناسب بھی معاشی پالیسیوں پر گہرے اثرات ڈالتا ہے۔ سب سے پہلے افرادی قوت کی شرکت کا مسئلہ آتا ہے: پاکستان میں خواتین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے لیکن ان کی ملازمت و کاروبار میں شرکت نسبتاً کم ہے، اس لیے خواتین کی تعلیم، محفوظ آمدورفت اور کام کی جگہوں پر سہولتوں سے متعلق پالیسیاں براہ راست معاشی پیداوار کو بڑھا سکتی ہیں۔ اگر خواتین کی نصف آبادی معاشی عمل سے باہر رہے تو ملک اپنی افرادی قوت کا بڑا حصہ استعمال ہی نہیں کر پاتا۔ دوسرے، جنسی تناسب میں غیر معمولی عدم توازن، جیسے بعض علاقوں میں ورک فورس کی ہجرت کی وجہ سے مردوں کی کمی یا زیادتی، مزدوری کی منڈی اور اجرتوں کو متاثر کرتا ہے۔

تیسرے، خواتین کی صحت اور تعلیم پر خرچ کی پالیسیاں آئندہ نسل کی پیداواری صلاحیت طے کرتی ہیں کیونکہ تعلیم یافتہ اور صحت مند مائیں بچوں کی بہتر پرورش کرتی ہیں۔ چوتھے، جنس کی تقسیم خاندانی بہبود اور سماجی پروگراموں کی تشکیل میں استعمال ہوتی ہے، مثلاً بیوہ اور تنہا خواتین کے لیے امدادی پروگرام اور بچیوں کی تعلیم کے وظائف اسی ڈیٹا کی بنیاد پر بنتے ہیں۔ بعض ممالک میں مردوں کی تعداد خواتین سے بہت زیادہ ہو جانا سماجی مسائل مثلاً شادی میں مشکلات اور عدم توازن پیدا کرتا ہے، اس لیے دانش مند ریاستیں جنسی تناسب میں توازن کو پالیسی کا ہدف رکھتی ہیں۔ اس جدول میں عمر کے بڑے گروہ اور ان کے پالیسی تقاضے خلاصے کے طور پر دیے گئے ہیں۔

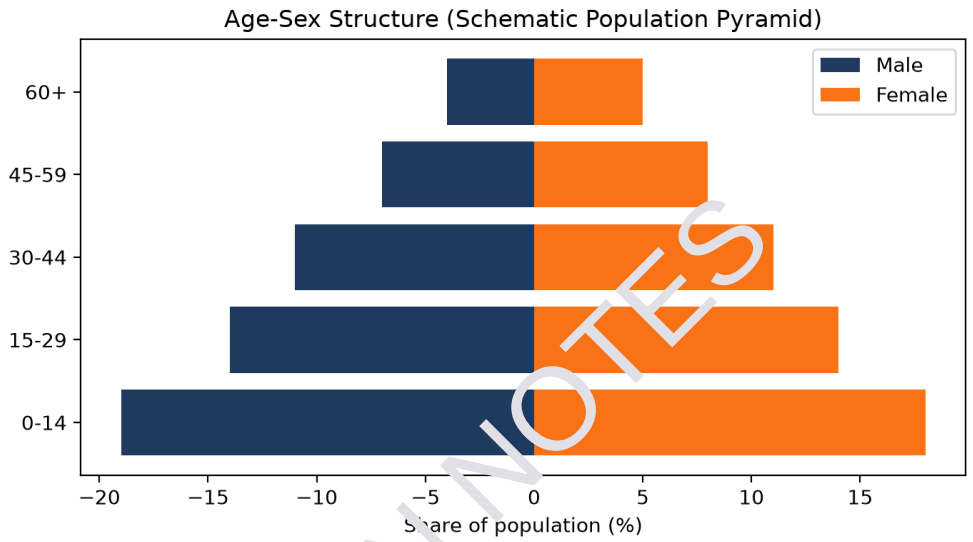
نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ آبادی کی ساخت سے مراد آبادی کی عمر، جنس، شادی، تعلیم اور پیشے کے اعتبار سے ترکیب ہے، جس میں عمر اور جنس کی تقسیم سب سے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی تقسیم افرادی قوت، روزگار، تعلیم، صحت، پنشن، بچت اور صارف منڈی سے متعلق معاشی پالیسیوں کی سمت طے کرتی ہے۔ نوجوان ملک کی پالیسیاں روزگار و تعلیم پر مرکوز ہونا چاہئیں جبکہ بزرگ آبادی والے ملک کی ترجیح سماجی تحفظ ہوگی۔ پاکستان کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ اپنی نوجوان ساخت کو بوجھ سمجھنے کے بجائے تعلیم و تربیت میں سرمایہ کاری کر کے اسے معاشی قوت میں بدلے، کیونکہ ساخت خود اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کے مطابق بنائی گئی پالیسی ہے۔

جدول 1: عمر کے بڑے گروہ اور معاشی پالیسی کے تقاضے

عمر گروہ	خصوصیت	اہم پالیسی تقاضا
0 تا 14 سال (بچے)	غیر پیداواری، انحصار کرنے والے	ابتدائی تعلیم، حفاظتی ٹیکے، غذائیت
15 تا 64 سال (کام کی عمر)	پیداواری افرادی قوت	روزگار، فنی تربیت، بچت و سرمایہ کاری
65 سال اور زائد (بزرگ)	انحصار کرنے والے، نگہداشت کے محتاج	پنشن، صحت کی سہولتیں، سماجی تحفظ

USMAN NOTES www.usmannotes.com



شکل 1: آبادی کا اہرام — عمر و جنس کی ساخت کی تصویری نمائندگی

سوال نمبر 2: آبادیاتی ڈیٹا کی اقسام، افادیت اور حکومتی منصوبہ بندی میں کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 2: ڈیموگرافک ڈیٹا کی اقسام اور ان کی افادیت بیان کریں۔ یہ ڈیٹا حکومتی منصوبہ بندی میں کس طرح مدد فراہم کرتا ہے؟ (20)

تعارف

جدید حکومت کا ہر بڑا فیصلہ معلومات کی بنیاد پر ہوتا ہے اور آبادی سے متعلق فیصلوں کی بنیاد آبادیاتی ڈیٹا ہے۔ آبادیاتی ڈیٹا سے مراد وہ تمام اعداد و شمار اور معلومات ہیں جو آبادی کے حجم، ساخت، تقسیم اور تبدیلی کے بارے میں ہوں، مثلاً کل آبادی، شرح پیدائش، شرح اموات، شرح خواندگی، شہری و دیہی تناسب اور پیشہ ورانہ تقسیم۔ یہ ڈیٹا مردم شماری، حیاتیاتی اندراج، سروے اور انتظامی ریکارڈ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور حکومت، محققین اور نجی ادارے سب اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ درست ڈیٹا درست پالیسی کی پہلی شرط ہے۔

اس سوال میں پہلے آبادیاتی ڈیٹا کی اہم اقسام بیان کی جائیں گی، پھر ان کی افادیت پر روشنی ڈالی جائے گی، اور آخر میں یہ واضح کیا جائے گا کہ یہ ڈیٹا حکومتی منصوبہ بندی کے مختلف شعبوں یعنی تعلیم، صحت، روزگار، وسائل کی تقسیم اور سماجی بہبود میں کس طرح مدد فراہم کرتا ہے۔ ڈیٹا کی اقسام کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کی معلومات الگ مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہے اور پالیسی ساز کو معلوم ہونا چاہیے کہ کس سوال کا جواب کس قسم کے ڈیٹا میں ملے گا۔

آبادیاتی ڈیٹا کی اہم اقسام

آبادیاتی ڈیٹا کی پہلی قسم آبادی کے حجم و تقسیم کا ڈیٹا ہے جس میں کل آبادی، صوبائی و ضلعی تقسیم، کثافت آبادی اور شہری و دیہی تناسب شامل ہے۔ دوسری قسم آبادی کی ساخت کا ڈیٹا ہے جس میں عمر و جنس کی تقسیم، ازدواجی حیثیت اور خاندان کے حجم کی معلومات آتی ہیں۔ تیسری قسم حیاتیاتی واقعات کا ڈیٹا ہے یعنی پیدائش، اموات، شیر خوار اموات، متوقع عمر اور بارآوری کی شرحیں۔ چوتھی قسم نقل مکانی کا ڈیٹا ہے جس میں اندرونی و بیرونی نقل مکانی، مہاجرین کی تعداد اور واپس جانے والی رقوم کی معلومات شامل ہیں۔ یہ چاروں اقسام مل کر آبادی کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔

ان کے علاوہ پانچویں قسم سماجی و معاشی خصوصیات کا ڈیٹا ہے جس میں شرح خواندگی، تعلیمی سطح، پیشہ، آمدنی، رہائش کی حالت اور بنیادی سہولتوں تک رسائی جیسی معلومات شامل ہیں، جو اکثر مردم شماری اور سروے میں جمع کی جاتی ہیں۔ چھٹی قسم مستقبل کی پیش گوئیوں کا ڈیٹا ہے جس میں ماہرین موجودہ رجحانات کی بنیاد پر اندازہ لگاتے ہیں کہ آئندہ دس، بیس یا پچاس سال میں آبادی کتنی ہو گی اور اس کی ساخت کیا ہو گی۔ ڈیٹا کو ایک اور زاویے سے اسٹاک ڈیٹا اور بہاؤ ڈیٹا میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے؛ پہلا کسی ایک وقت کی تصویر ہوتا ہے جیسے مردم شماری، اور دوسرا ایک عرصے میں ہونے والے واقعات کا ریکارڈ ہوتا ہے جیسے سال بھر کی پیدائش و اموات کا اندراج۔

آبادیاتی ڈیٹا کی افادیت

آبادیاتی ڈیٹا کی افادیت کا پہلا پہلو یہ ہے کہ یہ ملک کی اصل حالت سے آگاہی دیتا ہے۔ اس کے بغیر حکومت اندازے سے کام چلائے گی اور وسائل غلط جگہ خرچ ہوں گے۔ دوسرا پہلو موازنہ اور رجحان شناسی ہے: گزشتہ برسوں کے ڈیٹا سے معلوم ہوتا ہے کہ شرح پیدائش گر رہی ہے یا بڑھ رہی ہے، خواندگی بہتر ہو رہی ہے یا نہیں، اور کن علاقے

پیچھے رہ گئے ہیں۔ تیسرا پہلو مسائل کی نشاندہی ہے؛ مثال کے طور پر جس ضلع میں شیر خوار اموات زیادہ ہوں وہاں صحت کے نظام کی کمزوری فوراً سامنے آ جاتی ہے۔ چوتھا پہلو پالیسیوں کی جانچ ہے: کسی پروگرام کے آغاز سے پہلے اور بعد کے ڈیٹا کا موازنہ بتا دیتا ہے کہ پروگرام کامیاب ہوا یا نہیں۔

پانچواں پہلو وسائل کی منصفانہ تقسیم ہے کیونکہ آبادی کے تناسب سے فنڈز ملنے سے علاقائی محرومی کم ہوتی ہے۔ چھٹا پہلو بین الاقوامی موازنہ اور وعدوں کی نگرانی ہے، مثلاً پائیدار ترقی کے اہداف میں بچوں کی اموات، تعلیم اور صحت کے اہداف کی پیش رفت اسی ڈیٹا سے ناپی جاتی ہے اور عالمی ادارے اسی بنیاد پر امداد اور رپورٹیں تیار کرتے ہیں۔ ساتواں پہلو نجی شعبے کے لیے ہے: کمپنیاں آبادی کی تعداد، عمر اور آمدنی کے ڈیٹا سے فیکٹریاں، دکانیں اور خدمات قائم کرتی ہیں۔ اس طرح آبادیاتی ڈیٹا حکومت اور معاشرے دونوں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

حکومتی منصوبہ بندی میں ڈیٹا کی مدد: تعلیم و صحت

تعلیم کی منصوبہ بندی میں ڈیٹا بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسکول جانے کی عمر کے بچوں کی ضلع وار تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں نئے اسکول کھولنا ہیں، کہاں ڈبل شفٹ چلانا ہے اور کتنے اساتذہ بھرتی کرنا ہیں۔ بچیوں کی کم شرح خواندگی والا ڈیٹا خصوصی وظائف اور گرلز اسکولوں کی پالیسی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح جامعات اور فنی اداروں کی وسعت نوجوان آبادی کے تناسب کو دیکھ کر طے کی جاتی ہے۔ اگر ڈیٹا نہ ہو تو ایک علاقے میں خالی اسکول اور دوسرے علاقے میں بھیڑ بھاڑ والے کمرے پیدا ہو جاتے ہیں، جو وسائل کے ضیاع کی بدترین مثال ہے۔

صحت کی منصوبہ بندی بھی ڈیٹا کے بغیر ناممکن ہے۔ حاملہ خواتین اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد زچگی و حفاظتی ٹیکوں کے پروگراموں کی بنیاد ہے۔ شرح اموات اور بیماریوں کے نقشے بتاتے ہیں کہ کہاں اسپتال، کہاں بنیادی صحت مرکز اور کہاں لیڈی ہیلتھ ورکرز تعینات کرنا ہیں۔ وبائی امراض کے پھیلاؤ کی نگرانی بھی اموات و بیماری کے بروقت ڈیٹا سے ہوتی ہے۔ بزرگ آبادی کے بڑھتے ہوئے تناسب کا ڈیٹا حکومت کو دائمی بیماریوں اور نگہداشت کی سہولتوں کی پیشگی منصوبہ بندی پر آمادہ کرتا ہے۔ یوں ڈیٹا صحت کے شعبے کو ردعمل کے بجائے پیش بندی پر مبنی نظام بناتا ہے۔

حکومتی منصوبہ بندی میں ڈیٹا کی مدد: دیگر شعبے

روزگار اور معاشی منصوبہ بندی میں افرادی قوت کا ڈیٹا مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ کام کی عمر کی آبادی، بے روزگاری کی شرح اور پیشہ ورانہ تقسیم کے اعداد بتاتے ہیں کہ کتنی ملازمتیں درکار ہیں اور کن شعبوں میں تربیت دی جائے۔ اسی ڈیٹا سے کم از کم اجرت، مزدور قوانین اور سماجی تحفظ کی اسکیمیں ترتیب پاتی ہیں۔ رہائش اور شہری منصوبہ بندی میں آبادی کی کثافت اور شہری افزائش کا ڈیٹا نئی بستیوں، پانی و نکاس کے نظام اور پبلک ٹرانسپورٹ کی منصوبہ بندی کی بنیاد ہے۔ غذائی تحفظ کی پالیسی بھی آبادی اور اس کی افزائش کے تخمینے کے بغیر نہیں بن سکتی کیونکہ گندم، چاول اور دیگر اجناس کی ضرورت کا حساب اسی سے لگتا ہے۔

سیاسی و انتظامی شعبے میں مردم شماری کا ڈیٹا حلقہ بندیوں، نشستوں کی تقسیم اور مقامی حکومتوں کے فنڈز کی بنیاد بنتا ہے۔ سماجی بہبود کے پروگرام جیسے مستحق خاندانوں کی نقد امداد، بیوہ و یتیم وظائف اور بزرگ الاؤنس اسی ڈیٹا کی بنیاد پر مستحقین تک پہنچتے ہیں اور نااہل افراد کو نظام سے باہر رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ ہنگامی حالات اور قدرتی آفات میں متاثرہ آبادی کا ڈیٹا ریلیف کی مقدار اور ترجیحات طے کرتا ہے۔ ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آبادیاتی ڈیٹا محض اعداد نہیں بلکہ ہر وزارت اور ہر منصوبے کی مشترک بنیاد ہے، اور جس ملک کا ڈیٹا جتنا درست اور تازہ ہو گا اس کی منصوبہ بندی اتنی ہی کامیاب ہو گی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ آبادیاتی ڈیٹا کئی اقسام کا ہوتا ہے: حجم و تقسیم، ساخت، حیاتیاتی واقعات، نقل مکانی، سماجی و معاشی خصوصیات اور مستقبل کی پیش گوئیاں۔ اس کی افادیت حالت سے آگاہی، رجحان شناسی، مسائل کی نشاندہی، پالیسی کی جانچ اور وسائل کی منصفانہ تقسیم میں ظاہر ہوتی ہے۔ حکومتی منصوبہ بندی کے تقریباً تمام شعبے، تعلیم و صحت سے لے کر روزگار، رہائش، غذائی تحفظ اور سماجی بہبود تک، اسی ڈیٹا پر کھڑے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں باقاعدہ مردم شماری، مکمل حیاتیاتی اندراج اور معیاری سروے کے ذریعے ڈیٹا کی درستی اور تازگی یقینی بنائی جائے تاکہ منصوبہ بندی اندازے کے بجائے حقائق پر مبنی ہو۔

سوال نمبر 3: نوجوان آبادی کے فوائد اور چیلنجز — پاکستان کے لیے مواقع (20 نمبر)

سوال نمبر 3: نوجوان آبادی کے فوائد اور چیلنجز کا تجزیہ کریں اور بیان کریں کہ پاکستان اس سے کیسے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (20)

تعارف

دنیا کے جن ممالک میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے وہاں ایک خاص آبادیاتی صورت حال پیدا ہوتی ہے جسے نوجوان ابھار یا یوتھ بلج کہا جاتا ہے۔ پاکستان ان ممالک میں سر فہرست ہے جہاں آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ بچوں اور نوجوانوں پر مشتمل ہے اور اوسط عمر بہت کم ہے۔ ایسی آبادی کو دو دھاری تلوار کہا جاتا ہے: اگر نوجوانوں کو تعلیم، صحت اور روزگار مل جائے تو یہ تیزی سے ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ بن جاتے ہیں، اور اگر یہ سہولتیں نہ ملیں تو یہی نوجوان بے روزگاری، مایوسی اور سماجی انتشار کا سبب بن سکتے ہیں۔

اس سوال میں پہلے نوجوان آبادی کے ممکنہ فوائد کا تجزیہ کیا جائے گا، پھر اس کے چیلنجز بیان ہوں گے، اور آخر میں یہ بتایا جائے گا کہ پاکستان کن عملی اقدامات سے اپنے نوجوانوں کو قومی طاقت میں بدل سکتا ہے۔ یہ موضوع پاکستان کے مستقبل سے براہ راست جڑا ہوا ہے کیونکہ اگلی چند دہائیوں میں پاکستان کی ترقی کا انحصار اسی بات پر ہو گا کہ آج کے نوجوانوں کی صلاحیتوں کو کس حد تک نکھارا جاتا ہے۔ اس لیے اس تجزیے کو محض کتابی بحث سمجھنے کے بجائے قومی ترجیح کے طور پر دیکھنا چاہیے۔

نوجوان آبادی کے فوائد

نوجوان آبادی کا پہلا فائدہ وافر افرادی قوت ہے۔ کام کرنے والوں کی بڑی تعداد صنعت، زراعت، خدمات اور ٹیکنالوجی کے شعبوں کو سستی اور پرجوش محنت فراہم کرتی ہے، جس کی وجہ سے کئی ممالک نے غیر ملکی سرمایہ کاری کو راغب کیا۔ دوسرا فائدہ آبادیاتی منافع ہے: جب کام کرنے والوں کا تناسب انحصار کرنے والوں سے بڑھ جاتا ہے تو قومی بچت، سرمایہ کاری اور فی کس آمدنی میں اضافہ ممکن ہوتا ہے، جیسا کہ مشرقی ایشیا کے ممالک نے تجربہ کیا۔ تیسرا فائدہ تخلیقی صلاحیت اور نئی ٹیکنالوجی سے مطابقت ہے؛ نوجوان نئے علوم، کمپیوٹر اور کاروباری جدت کو تیزی سے اپناتے ہیں اور اسٹارٹ اپس و آن لائن کاروبار میں آگے آتے ہیں۔

چوتھا فائدہ بڑی صارف منڈی ہے جو ملکی تجارت اور صنعت کو متحرک رکھتی ہے۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ نوجوان آبادی ملک کو بیرون ملک افرادی قوت بھیج کر زرمبادلہ کمانے کا موقع دیتی ہے؛ پاکستانی مزدوروں اور پیشہ ور افراد کی بھیجی ہوئی رقوم ملکی معیشت کا اہم سہارا ہیں۔ چھٹا فائدہ سماجی و فکری تجدید ہے کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوان فرسودہ رسوم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، خواتین کی تعلیم و روزگار کی حمایت کرتے ہیں اور معاشرے کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ تمام فوائد خودکار نہیں ہوتے بلکہ درست پالیسیوں کی صورت میں ہی حاصل ہوتے ہیں، ورنہ یہی آبادی بوجھ میں بدل جاتی ہے۔

نوجوان آبادی کے چیلنجز

سب سے بڑا چیلنج بے روزگاری ہے۔ پاکستان میں ہر سال لاکھوں نوجوان تعلیم مکمل کر کے یا نصف راستے چھوڑ کر ملازمت کی تلاش میں نکلتے ہیں، مگر معیشت کی رفتار اتنی ملازمتیں پیدا نہیں کرتی۔ بے روزگار نوجوان مایوسی، نشے اور جرائم کی طرف مائل ہو سکتا ہے اور سماجی بے چینی بڑھتی ہے۔ دوسرا چیلنج تعلیم کا معیار اور رسائی ہے: اسکول سے باہر بچوں کی بڑی تعداد اور پیشہ ورانہ مہارت کی کمی نوجوانوں کو منڈی کے قابل نہیں بننے دیتی۔ تیسرا چیلنج صحت کا ہے، خاص طور پر غذائیت کی کمی، ذہنی صحت کے مسائل اور نوجوان لڑکیوں کی صحت کی طرف عدم توجہی، جو آئندہ نسل کی صلاحیت کم کرتی ہے۔

چوتھا چیلنج یہ ہے کہ بڑی نوجوان آبادی تعلیم، صحت اور رہائش جیسی خدمات پر فوری دباؤ ڈالتی ہے اور حکومتی وسائل پھیل جاتے ہیں۔ پانچواں چیلنج مایوس نوجوانوں کا شدت پسند نظریات یا غیر قانونی ہجرت کی طرف راغب ہونا ہے جو ملک کی ساکھ اور سلامتی دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ چھٹا چیلنج شہری دباؤ ہے کیونکہ روزگار کی تلاش میں دیہی نوجوان شہروں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں رہائش و خدمات کے مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ ان چیلنجز سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان آبادی کا حجم خود مسئلہ نہیں، اصل مسئلہ اس کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے نظام کی کمزوری ہے۔

پاکستان اس سے کیسے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

پاکستان سب سے پہلے تعلیم میں انقلابی سرمایہ کاری کرے۔ اسکول سے باہر بچوں کو واپس لانا، اساتذہ کی تربیت بہتر بنانا اور نصاب کو جدید منڈی سے جوڑنا پہلی شرط ہے۔ دوسرا اقدام فنی و پیشہ ورانہ تربیت کی بڑے پیمانے پر وسعت ہے؛ ایمبیوٹ، موبائل مرمت، برقیات، نرسنگ، تعمیرات اور زبانوں جیسی مہارتیں نوجوانوں کو ملک و بیرون ملک روزگار کے قابل بناتی ہیں۔ تیسرا اقدام نوجوانوں کے کاروبار کے لیے آسان قرضے، کاروباری تربیت اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز تک رسائی ہے تاکہ نوجوان ملازمت مانگنے والوں کے بجائے ملازمت دینے والے بن سکیں۔ چوتھا اقدام خواتین نوجوانوں کو مرکزی دھارے میں لانا ہے، کیونکہ نصف نوجوان آبادی کو استعمال کیے بغیر آبادیاتی منافع ممکن نہیں۔

پانچواں اقدام خاندانی منصوبہ بندی اور آبادی کی رفتار کو متوازن کرنا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کا حجم وسائل سے ہم آہنگ ہو اور فی بچہ سرمایہ کاری بڑھ سکے۔ چھٹا اقدام آئی ٹی اور خدمات کے شعبے کو فروغ دینا ہے جہاں پاکستان کے نوجوان پہلے ہی فری لانسنگ میں دنیا بھر میں نمایاں مقام حاصل کر رہے ہیں؛ تیز انٹرنیٹ، تربیت اور ادائیگیوں کا آسان نظام اسے کئی گنا بڑھا سکتا ہے۔ ساتواں اقدام کھیل، ثقافت اور مثبت مصروفیات کی فراہمی ہے تاکہ نوجوانوں کی توانائی تعمیری سمت میں لگے۔ اگر یہ اقدامات تسلسل سے کیے جائیں تو اگلے دو تین عشروں میں پاکستان اپنی نوجوان آبادی کو وہی قوت بنا سکتا ہے جو کبھی جاپان، کوریا اور چین کی ترقی کا راز تھی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نوجوان آبادی ایک طرف افرادی قوت، آبادیاتی منافع، تخلیقی صلاحیت اور زرمبادلہ جیسے بڑے فوائد رکھتی ہے اور دوسری طرف بے روزگاری، کمزور تعلیم و صحت اور سماجی بے چینی جیسے سنجیدہ چیلنجز بھی ساتھ لاتی ہے۔ ان دونوں میں سے کون سا پہلو غالب آئے گا، اس کا فیصلہ آبادی کا حجم نہیں بلکہ پالیسیاں کرتی ہیں۔ پاکستان کے پاس وقت کی ایک محدود کھڑکی موجود ہے جس میں نوجوان نسل کام کی عمر میں ہے؛ اگر اس دوران تعلیم، مہارت، روزگار اور خواتین کی شرکت پر سرمایہ کاری کر لی گئی تو یہی نوجوان ملک کو خوشحالی کی منزل تک لے جائیں گے، ورنہ موقع ضائع ہو کر بوجھ میں بدل جائے گا۔

سوال نمبر 4: شرح پیدائش پر اثرانداز عوامل اور ان کے سماجی نتائج (20 نمبر)

سوال نمبر 4: شرح پیدائش پر اثرانداز ہونے والے عوامل کی وضاحت کریں اور ان عوامل کے سماجی نتائج پر بحث کریں۔ (20)

تعارف

شرح پیدائش سے مراد کسی سال میں فی ہزار آبادی کے مقابلے میں زندہ پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد ہے۔ یہ شرح ہر معاشرے میں ایک جیسی نہیں ہوتی؛ کہیں فی خاندان اوسطاً ایک یا دو بچے ہوتے ہیں اور کہیں پانچ یا چھ۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ بچے پیدا کرنے کا فیصلہ صرف حیاتیاتی عمل نہیں بلکہ سماجی، معاشی، ثقافتی اور تعلیمی عوامل سے گہرے طور پر متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے ماہرین آبادی شرح پیدائش کو معاشرے کے طرزِ زندگی، خواتین کی حیثیت اور ترقی کی سطح کا اشاریہ سمجھتے ہیں۔

اس سوال میں شرح پیدائش پر اثرانداز ہونے والے اہم عوامل کی وضاحت کی جائے گی، جن میں شادی کی عمر، خواتین کی تعلیم، روزگار، شہری کاری، بچوں کی اموات، مذہبی و ثقافتی تصورات اور خاندانی منصوبہ بندی شامل ہیں۔ اس کے بعد ان عوامل کے سماجی نتائج پر بحث کی جائے گی کہ جب شرح پیدائش زیادہ یا کم ہوتی ہے تو خاندان، خواتین، بچوں اور پورے معاشرے پر کیا اثرات پڑتے ہیں۔ اس موضوع کی عملی اہمیت یہ ہے کہ اگر حکومت شرح پیدائش میں توازن لانا چاہتی ہے تو اسے انہی عوامل پر کام کرنا ہوگا۔

شرح پیدائش پر اثرانداز اہم عوامل

پہلا عامل شادی کی عمر ہے۔ جن معاشروں میں لڑکیوں کی شادی کم عمری میں ہو جاتی ہے وہاں بارآوری کا عرصہ لمبا ہوتا ہے اور بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، جبکہ دیر سے شادی شرح پیدائش کو فطری طور پر گھٹا دیتی ہے۔ دوسرا اور سب سے طاقتور عامل خواتین کی تعلیم ہے؛ تعلیم یافتہ خواتین دیر سے شادی کرتی ہیں، بچوں میں وقفہ رکھتی ہیں، خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے استعمال کرتی ہیں اور چھوٹے خاندان کو ترجیح دیتی ہیں۔ تحقیق بار بار یہ ثابت کرتی ہے کہ ماں کی تعلیم بڑھنے سے بچوں کی تعداد کم اور ان کی صحت و تعلیم بہتر ہوتی ہے۔ تیسرا عامل خواتین کا روزگار ہے؛ کمانے والی خواتین کے لیے زیادہ بچوں کی پرورش موقع کی لاگت بڑھا دیتی ہے، اس لیے وہ کم بچوں پر اکتفا کرتی ہیں۔

چوتھا عامل شہری کاری ہے؛ شہر میں رہائش مہنگی، جگہ کم اور بچوں کی پرورش کا خرچ زیادہ ہوتا ہے، جبکہ دیہات میں بچے کھیت اور گھر کے کام میں معاون سمجھے جاتے ہیں، اس لیے شہری خاندان عموماً چھوٹے ہوتے ہیں۔ پانچواں عامل بچوں کی اموات کی شرح ہے؛ جہاں بچوں کی اموات زیادہ ہوں وہاں والدین احتیاطاً زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں، اور جہاں بچے محفوظ رہتے ہیں وہاں کم بچوں پر اعتماد بڑھتا ہے۔ چھٹا عامل ثقافتی و مذہبی تصورات اور بیٹے کی ترجیح ہے؛ بعض خاندان بیٹے کی خواہش میں بچے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ساتواں عامل خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات تک رسائی اور آٹھواں معاشی حالت ہے، کیونکہ بچوں کو بوڑھاپے کا سہارا سمجھنے والے غریب خاندان زیادہ بچے چاہتے ہیں جبکہ سماجی تحفظ موجود ہو تو یہ ضرورت کم ہو جاتی ہے۔

زیادہ شرح پیدائش کے سماجی نتائج

زیادہ شرح پیدائش کا پہلا سماجی نتیجہ خاندان کی سطح پر وسائل کی تقسیم ہے: زیادہ بچوں میں خوراک، لباس، تعلیم اور صحت کا حصہ بٹ جاتا ہے اور ہر بچے کو کم توجہ اور کم سہولت ملتی ہے، جسے مقدار و معیار کا تبادلہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا نتیجہ ماں کی صحت پر پڑتا ہے؛ بار بار اور کم وقفے سے زچگی خواتین کی صحت کمزور کرتی ہے اور زچگی کی اموات کا خطرہ بڑھاتی ہے۔ تیسرا نتیجہ خواتین کی تعلیم و روزگار کا رک جانا ہے کیونکہ بچوں کی پرورش ان کا بیشتر وقت لے لیتی ہے اور وہ معاشی و سماجی زندگی میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ چوتھا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے خاندانوں کے بچے اکثر کم عمری میں مزدوری پر مجبور ہوتے ہیں جس سے چائلڈ لیبر اور ناخواندگی کا چکر جاری رہتا ہے۔

معاشرتی سطح پر زیادہ شرح پیدائش تعلیم و صحت کی سہولتوں پر دباؤ، بے روزگاری میں اضافہ اور غربت کے تسلسل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسکولوں میں بھیڑ، اسپتالوں میں لمبی قطاریں اور دیہی زمین کی نسل در نسل تقسیم اس کے نمایاں مظاہر ہیں۔ نفسیاتی سطح پر بڑے اور غریب خاندانوں کے بچوں میں احساس محرومی بڑھ سکتا ہے۔ تاہم اس بات کی انصاف پسندی ضروری ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں بڑے خاندان بچوں کو سماجی تحفظ، نگہداشت اور بزرگوں کی خدمت جیسے فوائد بھی دیتے ہیں، اور دیہی ماحول میں بچے خاندانی معیشت کا حصہ بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے تجزیہ متوازن ہونا چاہیے، لیکن مجموعی ملکی سطح پر وسائل کی کمی کے تناظر میں زیادہ شرح پیدائش کے سماجی اخراجات اس کے فوائد سے بڑھ جاتے ہیں۔

کم اور متوازن شرح پیدائش کے سماجی نتائج

جب تعلیم، صحت اور آگاہی کے ذریعے شرح پیدائش کم اور متوازن ہو جاتی ہے تو اس کے سماجی نتائج عام طور پر مثبت ہوتے ہیں۔ خاندان ہر بچے پر زیادہ خرچ کر سکتا ہے، بچوں کی تعلیم لمبی اور معیاری ہوتی ہے، غذائیت بہتر ہوتی ہے اور بچوں کی اموات کم ہوتی ہیں۔ خواتین کو تعلیم مکمل کرنے، روزگار اختیار کرنے اور سماجی زندگی میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے جس سے ان کی حیثیت اور خاندانی فیصلوں میں ان کی رائے مضبوط ہوتی ہے۔ خاندان کی بچت بڑھتی ہے، رہائش اور معیارِ زندگی بہتر ہوتا ہے اور بزرگوں کی دیکھ بھال کے لیے وسائل بھی نسبتاً موجود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اور تیزی سے ترقی کرتے ممالک میں چھوٹا خاندان سماجی معمول بن چکا ہے۔

البتہ شرح پیدائش کا حد سے زیادہ گر جانا نئے سماجی مسائل بھی پیدا کرتا ہے، جن کا تجربہ جاپان، کوریا اور کئی یورپی ممالک کو ہو رہا ہے۔ انتہائی کم شرح پیدائش سے بزرگ آبادی کا تناسب بڑھتا ہے، کام کرنے والے کم اور انحصار کرنے والے زیادہ ہو جاتے ہیں، پنشن و صحت کے نظام پر بوجھ بڑھتا ہے اور بعض علاقے ویران ہونے لگتے ہیں۔ تنہائی اور خاندانی سہارے کی کمی بزرگوں کے نفسیاتی مسائل بڑھاتی ہے۔ اس لیے ماہرین کی رائے ہے کہ مطلوبہ حالت انتہا کی زیادتی یا انتہا کی کمی نہیں بلکہ متوازن شرح پیدائش ہے جو آبادی کو سست رفتاری سے مستحکم رکھے۔ پاکستان جیسے ملک کے لیے اس وقت کا چیلنج شرح پیدائش کو بتدریج اسی توازن کی طرف لانا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شرح پیدائش شادی کی عمر، خواتین کی تعلیم و روزگار، شہری کاری، بچوں کی اموات، ثقافتی تصورات اور خاندانی منصوبہ بندی جیسے عوامل سے متاثر ہوتی ہے، اور ان میں خواتین کی تعلیم سب سے فیصلہ کن عامل ہے۔ زیادہ شرح پیدائش وسائل کی تقسیم، ماں کی صحت، بچوں کی تعلیم اور قومی خدمات پر بوجھ جیسے نتائج لاتی ہے، جبکہ متوازن شرح خاندانی خوشحالی اور خواتین کی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے، مگر حد سے کم شرح بڑھاپے کے بحران کو جنم دیتی ہے۔ اس لیے عقلمند پالیسی یہ ہے کہ جبر کے بجائے تعلیم، صحت اور آگاہی کے ذریعے خاندانوں کو خود متوازن فیصلے کے قابل بنایا جائے۔

سوال نمبر 5: شرح اموات میں کمی واضافے کے عوامل اور صحت عامہ کی بہتری کی تجاویز (20 نمبر)

سوال نمبر 5: شرح اموات میں کمی یا اضافہ کن عوامل کی وجہ سے ہوتا ہے؟ صحت عامہ کی بہتری کے لیے عملی تجاویز پیش کریں۔ (20)

تعارف

شرح اموات سے مراد کسی سال میں فی ہزار آبادی میں فوت ہونے والے افراد کی تعداد ہے۔ یہ شرح کسی معاشرے کی صحت، غذائیت، صفائی اور طب کی سہولتوں کا سب سے حساس اشاریہ مانی جاتی ہے۔ انسانی تاریخ کا بڑا حصہ اسی شرح کی بلندی میں گزرا جب وبائیں، قحط اور جنگیں آبادی کا بڑا حصہ نگل جاتی تھیں۔ گزشتہ دو صدیوں میں طب، صفائی اور خوراک کی بہتری نے دنیا بھر میں شرح اموات کو حیران کن طور پر گرا دیا اور متوقع عمر تقریباً دگنی ہو گئی۔ تاہم شرح اموات ہر جگہ ایک جیسی نہیں؛ غریب ممالک اور محروم طبقات میں یہ آج بھی زیادہ ہے۔

اس سوال میں پہلے ان عوامل کی وضاحت کی جائے گی جو شرح اموات میں کمی یا اضافہ کرتے ہیں، جن میں طب کی سہولتیں، غذائیت، صفائی و پانی، تعلیم، وبائیں، جنگیں، حادثات اور طرز زندگی شامل ہیں۔ پھر پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے تناظر میں صحت عامہ کی بہتری کے لیے عملی اور قابل نفاذ تجاویز پیش کی جائیں گی۔ صحت عامہ سے مراد پورے معاشرے کی صحت کی حفاظت اور بیماریوں سے بچاؤ کا منظم نظام ہے، اور شرح اموات میں کمی اسی نظام کی کامیابی کا سب سے واضح ثبوت ہوتی ہے۔

شرح اموات میں کمی لانے والے عوامل

شرح اموات میں کمی کا سب سے بڑا عامل طب کی ترقی ہے۔ جراثیم کش ادویات، اینٹی بایوٹکس، حفاظتی ٹیکے اور جراحی کی جدت نے ان بیماریوں کو قابو میں کر لیا جو پہلے لاکھوں جانیں لیتی تھیں، مثلاً چیچک کا دنیا بھر سے خاتمہ اور پولیو و خسرے میں نمایاں کمی اس کی مثالیں ہیں۔ دوسرا عامل صاف پانی، نکاسی آب اور صفائی ستھرائی کی بہتری ہے جس نے

ہیضہ، ٹائیفائیڈ اور اسہال جیسی آبی بیماریوں سے ہونے والی اموات، خاص طور پر بچوں کی اموات، میں بڑی کمی کی۔ تیسرا عامل غذائیت میں بہتری ہے؛ متوازن خوراک جسم کی قوت مدافعت بڑھاتی ہے اور بچوں کو بیماریوں سے بچاتی ہے۔

چوتھا عامل تعلیم، خاص طور پر ماؤں کی تعلیم ہے: پڑھی لکھی مائیں صفائی کا خیال رکھتی ہیں، بروقت علاج کراتی ہیں اور حفاظتی ٹیکے لگواتی ہیں، اس لیے ان کے بچوں کی شرح اموات کم ہوتی ہے۔ پانچواں عامل زچگی کی بہتر سہولتیں اور تربیت یافتہ دائیوں، ونرسوں کی موجودگی ہے جس سے زچگی اور نومولود بچوں کی اموات گریں۔ چھٹا عامل معاشی خوشحالی اور مواصلات کی بہتری ہے جس سے مریض بروقت اسپتال پہنچتا ہے اور ادویات دستیاب رہتی ہیں۔ ساتواں عامل امن و امان اور قدرتی آفات سے تحفظ کا نظام ہے۔ انہی عوامل کے مجموعے نے بیشتر ممالک میں متوقع عمر بڑھا دی ہے۔

شرح اموات میں اضافہ کرنے والے عوامل

شرح اموات میں اضافے کا پہلا عامل وبائی بیماریاں ہیں۔ تاریخ میں طاعون، انفلوئنزا اور حالیہ دور میں کورونا وبا نے کروڑوں جانیں لیں اور پوری دنیا کی شرح اموات کو متاثر کیا۔ دوسرا عامل قحط اور غذائی قلت ہے جو فصلوں کی تباہی، خشک سالی یا جنگ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور خاص طور پر بچوں اور بزرگوں کو نشانہ بناتی ہے۔ تیسرا عامل جنگیں اور مسلح تصادم ہیں جو براہ راست قتل و غارت کے علاوہ اسپتالوں اور اناج کی تباہی کے ذریعے بھی اموات بڑھاتے ہیں۔ چوتھا عامل قدرتی آفات ہیں جیسے زلزلہ، سیلاب اور طوفان، جن میں پاکستان کا تجربہ خاص طور پر تلخ رہا ہے۔

پانچواں عامل ماحولیاتی آلودگی اور طرز زندگی کی بیماریاں ہیں۔ فضائی آلودگی، تمباکو نوشی، نشہ آور اشیا، موٹاپا اور ذہنی دباؤ دل، پھیپھڑوں اور ذیابیطس جیسی بیماریوں سے اموات بڑھا رہے ہیں، اور ترقی پذیر ممالک اب متعدی بیماریوں کے ساتھ یہ دہرا بوجھ بھی اٹھا رہے ہیں۔ چھٹا عامل سڑک و صنعتی حادثات ہیں جو نوجوانوں کی اموات کی بڑی وجہ بن چکے ہیں۔ ساتواں عامل صحت کی سہولتوں کی عدم دستیابی یا مہنگا علاج ہے جس کی وجہ سے قابل علاج بیماریاں بھی جان لیوا بن جاتی ہیں۔ ان عوامل سے معلوم ہوتا ہے کہ شرح اموات صرف طب کا نہیں بلکہ امن، ماحول، معیشت اور نظم و نسق کا بھی آئینہ ہے۔

صحت عامہ کی بہتری کے لیے عملی تجاویز

صحت عامہ کی بہتری کے لیے پہلی تجویز بنیادی صحت کے نظام کو مضبوط کرنا ہے: ہر یونین کونسل کی سطح پر فعال بنیادی صحت مرکز، تربیت یافتہ عملہ، مفت بنیادی ادویات اور لیڈی ہیلتھ ورکرز کے نیٹ ورک کی توسیع سے زیادہ تر بیماریوں کا علاج اور بچاؤ مقامی سطح پر ممکن ہو جائے گا۔ دوسری تجویز حفاظتی ٹیکوں اور بچاؤ کے پروگراموں کو سو فیصد کوریج تک لے جانا ہے، کیونکہ بچاؤ علاج سے کہیں سستا اور مؤثر ہوتا ہے۔ تیسری تجویز صاف پانی اور نکاسی آب کو صحت کی پالیسی کا حصہ بنانا ہے؛ واٹر فلٹریشن، گندے پانی کے نظام اور صفائی مہمات بچوں کی اموات میں بڑی کمی لا سکتی ہیں۔ چوتھی تجویز ماؤں اور بچوں کی غذائیت پر خصوصی پروگرام ہے جس میں آگاہی، اضافی خوراک اور کم وزن بچوں کی نگرانی شامل ہو۔

پانچویں تجویز صحت کی تعلیم اور آگاہی ہے: اسکولوں کے نصاب، ذرائع ابلاغ اور مذہبی و سماجی رہنماؤں کے ذریعے صفائی، تمباکو کے نقصانات، محفوظ زچگی اور ذہنی صحت کے بارے میں شعور پھیلایا جائے۔ چھٹی تجویز صحت کے بجٹ میں اضافہ اور صحت بیمہ جیسی اسکیموں کی توسیع ہے تاکہ غریب خاندان علاج کے خرچ سے دیوالیہ نہ ہوں۔ ساتویں تجویز ماحولیاتی اور پیشہ ورانہ تحفظ ہے یعنی آلودگی پر قابو، فیکٹریوں میں مزدوروں کی حفاظت اور سڑکوں پر ٹریفک قوانین کا نفاذ تاکہ حادثاتی اموات کم ہوں۔ آٹھویں تجویز بیماریوں کی نگرانی اور بروقت ڈیٹا کا نظام ہے تاکہ وبا کے آثار نمودار ہوتے ہی کارروائی ہو سکے۔ یہ تجاویز ثابت کرتی ہیں کہ شرح اموات میں کمی کسی ایک دوا کا نہیں بلکہ مجموعی نظام کی اصلاح کا نتیجہ ہوتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شرح اموات طب کی ترقی، صفائی و صاف پانی، غذائیت، تعلیم اور خوشحالی سے گھٹتی ہے اور وباؤں، قحط، جنگوں، آفات، آلودگی اور سہولتوں کی کمی سے بڑھتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے لیے درست حکمت عملی یہ ہے کہ علاج کے بڑے اسپتالوں کے ساتھ ساتھ بچاؤ، بنیادی صحت، صاف پانی اور آگاہی پر سرمایہ کاری کی جائے، کیونکہ

صحت عامہ کی بہتری کا یہی راستہ کم خرچ اور زیادہ پائیدار ہے۔ جس معاشرے میں لوگ لمبی اور صحت مند زندگی گزارتے ہیں وہاں افرادی قوت مضبوط، اخراجات کم اور ترقی کی رفتار تیز ہوتی ہے، اس لیے صحت عامہ میں سرمایہ کاری دراصل مستقبل میں سرمایہ کاری ہے۔

USMAN NOTES
www.usmannotes.com